گناہ کے کام میں تعاون کی متنوع صورتیں
اوران کے احکام

تحریر

مفتی عبیدالرحمان صاحب

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گناہ کے کام میں تعاون کی متنوع صورتیں اور ان کے احکام

موضوع کا تعارف واہمیت

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

{تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ } [المائدة: ٢]

ترجمہ: "آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

یہ، اور ان جیسے متعدد نصوص اس بات کے بتانے میں بالکل صریح ہیں کہ گناہ کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔ لیکن اس تعاون سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے حدود و قیود کیا ہیں؟ کیونکہ ہر تعاون کو ناجائز کہنا نہ ممکن ہے اور نہ آسان۔ آٹا اور گندم فروخت کرنے والا اور چائے، پانی تقسیم کرنے والا ایک حد تک ان گناہوں کا بھی سبب بن جاتا ہے جو گناہ ان چیزوں سے حاصل ہونے والی قوت وصلاحیت کے بل بوتے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اب یا تو تعاون کو مطلقاً حرام کہا جائے اور انسانیت کو اپنے ہی حد تک مقصود و مقید رکھا جائے جو ظاہر ہے کہ شریعت کے مزاج ومذاق سے کوئی مطابقت رکھتا ہے اور نہ نصوص سے کچھ مناسبت رکھتا ہے اور جب یہ نہیں ہو سکتا تو پھر تعاون کی کچھ تفصیل کرنی ہوگی جہاں شرعی دلائل کی روشنی میں اس کی بعض صورتوں کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دیا جائے اور دونوں قسموں کے درمیان کوئی واضح خط فاصل قائم کیا

جائے۔ اور یہی صورت متعین ہے، لیکن چونکہ قرآن وسنت میں صراحت کے ساتھ ایسا کوئی ناپا تُلا ضابطہ ذکر نہیں ہے، نہ ہی قدیم فقہاء کرام کے نصوص میں اس کی کوئی معتدبہ تفصیل ملتی ہے، اس لئے اب یہی طریقہ ہے کہ مسئلہ سے متعلقہ نصوص، اور ساتھ حضرات فقہائے کرام کی تصریحات وتفصیلات میں اچھی طرح غور وخوض کیا جائے اور ان ہی باتوں کی روشنی میں کوئی ضابطہ مقرر کیا جائے۔

گزشتہ کام کا جائزہ

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائیں اہل علم کو کہ انہوں نے دیگر اکثر موضوعات کی طرح اس مسئلہ کے حل کرنے میں بھی اپنی توانائیاں صرف فرمائی اور اس حکم کی تنقیح وتہذیب میں اپنی صلاحیتوں اور مہارتوں کو خوب سخاوت وفراوانی کے ساتھ استعمال فرمایا جس کی بدولت مسئلے کے مختلف گوشے نکھر کر سامنے آئے اور اب ان تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر اصل حکم تک پہنچنے میں کچھ زیادہ مشکلات باقی نہ رہیں۔

البتہ چونکہ یہ مسئلہ تاصیل اور تطبیق دونوں لحاظ سے کافی پیچیدہ اور مختلف پہلوؤں کا حامل ہے اس لئے ایسے اجتہادی مسائل میں اہل علم کی آراء کا مختلف ہونا کچھ بعید نہیں ہے بلکہ ایک فطری سی بات ہے جس کا مظاہرہ اس مسئلے میں بھی ہوا اور یہاں بھی اعانت علی المعصیت سے متعلق بعض صورتوں کے متعلق اہل علم کی آراء مختلف ہوئیں۔ یہاں بقدر ضرورت ان اہلِ علم کی تحقیق ذکر کی جائے گی جنہوں نے اس مسئلے پر غور وخوض فرمایا اور پھر آخر چند سطور میں وہ نتائج ذکر کئے جائیں گے جو تقریباً دس سال سوچ وبچار کے بعد اس ناکارہ کے خیال ناقص میں

آئے ہیں تاکہ اہلِ علم اس پر غور وخوض فرماسکیں اور اگر کوئی علمی و فقہی سقم ہو تو بروقت اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اہل علم میں سے جن حضرات نے اس مسئلہ پر نمایاں طور پر کام کیا، ان کا مختصر سی تذکرہ یہ ہے:

الف: "تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام"

یہ اپنے وقت کے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہ کا رسالہ ہے، جو دراصل انہوں نے "احکام القرآن" کے لئے لکھا تھا اور اس کا جزء بن کر شائع ہوا، بعد میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت نے اردو میں اس مقالے کا حاصل ذکر کیا جو "ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت" کے نام سے جواہر الفقہ (جدید) کا جزء بن کر شائع ہوا[1]۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک اعانت علی المعصیت اور دوسری تسبّب للمعصیت۔ اعانت علی المعصیت کی وہ صورت حرام ہے جس میں اعانت کرنے والا حقیقۃً یا حکماً معصیت کا قصد کرے۔ حقیقۃً تو یہ ہے کہ: دل میں معصیت کی نیت کرے یا زبان سے اس کی تصریح کرے۔ اور حکماً یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جارہی ہو، گناہ کے علاوہ کوئی جائز استعمال اس کا موجود نہ ہو۔ جہاں تک گناہ کے کام کے لئے سبب بننے کا مسئلہ ہے تو سبب بعید مباح ہے اور قریب مکروہ،

---

[1] اس سے قدیم جواہر الفقہ مراد ہے جو دو جلدوں میں شائع ہوا تھا، اس میں یہ عربی رسالہ بھی موجود ہے اور اس کے بعد اردو میں اس کی وہ تلخیص بھی مذکور ہے جو ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت مؤلف صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا، جدید جواہر الفقہ جو سات جلدوں میں شائع ہوا ہے، اس میں یہ عربی رسالہ مذکور نہیں ہے۔

پھر قریب کی بھی قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ سبب خود گناہ کے لئے محرک ہو کہ اسی کے نتیجے میں گناہ وجود میں آئے، اور اگر وہ سبب نہ ہوتا تو گناہ بھی متحقق نہ ہوتا تو ایسا سبب بننا حرام ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی سبب باعث معصیت نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو سبب بننے والے کو اس کا علم ہو گا کہ مثلاً: مجھ سے جو شخص یہ چیز خرید رہا ہے وہ اس کو گناہ کے کام میں استعمال کرے گا اور یا علم نہیں ہو گا۔ اگر علم ہے تو اس کے باوجود بیچنا مکروہ ہے اور اگر علم نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔[1]

ہماری معلومات کے مطابق یہ رسالہ اپنے موضوع پر پہلا تفصیلی فقہی مقالہ ہے جو اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔

ب: "خلاصۃ الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام"

یہ جامعہ علوم اسلامیہ، اردن کے ایک استاذ دکتور محمد صلاح ابو الحاج کا مقالہ ہے۔ مقالہ کی ابتداء میں مؤلف نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے درج بالا رسالہ کا مطالعہ کیا، لیکن اس کو تسلی بخش نہیں پایا اس لئے یہ مقالہ لکھا۔ اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ ائمہ احناف کی کتابوں سے متعلقہ جزئیات نقل فرمائی ہے اور ہر مسئلہ کے متعلق اتفاق واختلافی نکات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور ساتھ حرام صورتوں میں حرمت کا مدار منقح کرنے کی بھی کوشش فرمائی ہے۔ فاضل مؤلف زید مجدہم خود اپنی تحقیق کا حاصل نتیجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو، جواہر الفقہ، ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت، ج ۷ ص ۵۱۱

اتّضح مِن المسائل المذكورة أنّ ضابط الإعانة على الحرام على مذهب أبي حنيفة رضي الله عنه، هو :أنّ ما قامت المعصية بعينه فمكروه كبيع الخمر والخنزير ومعنى بعينة: أنّ عينه منكرا لا تقبل إلّا الفعل المحظور. وأنّ ما لم تقم المعصية بعينه فغير مكروه ويطيب أجره، ومعنى ذلك أنّ عينه ليستْ منكرا، بأنّ المقصود الأصلي مِنها ليس المعصية وإنّما هي أمر عارض يحصل بفعل فاعل مختار فتنقطع نسبته عن البائع أو غيره. أمّا في الأعمال فيكفي فيما لم تقم المعصية بعينه أن يتوسّط فعل فاعل مختار، كما في رعي الخنازير وتعمير الكنيسة.[١]

ترجمہ:"حرام کاموں میں تعاون کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ضابطہ یہ ہے کہ: جس چیز کے ساتھ بعینہ گناہ وجود میں آئے تو وہ مکروہ ہے مثلا: شراب یا خنزیر فروخت کرنا۔ بعینہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بذات خود برا ہو اور اس کی وجہ سے گناہ کا کام ہی صادر ہوتا ہو۔ اگر بعینہ کسی چیز کے ساتھ گناہ قائم نہ ہوتا ہو تو وہ مکروہ نہیں اور اس کی اجرت حلال ہے۔ مطلب یہ کہ جو چیز بذات خود برا نہ ہو اس کا اصل مقصد گناہ نہ ہو البتہ کسی بااختیار شخص کے عمل کے نتیجے میں کبھی کبھار اس کے ساتھ گناہ پیدا ہوتی ہو تو اس کی نسبت فروخت کرنے والے یا کسی اور کی طرف نہیں ہوگی۔ البتہ خرید فروخت کے علاوہ محنت میں اس قدر کافی ہے کہ اس میں کسی فاعل مختار کا عمل درمیان میں واسطہ ہو مثلا خنزیروں کو چرانا یا کنیسہ بنانا۔

---

[١] خلاصة الكلام، الخاتمة، ص٦٧.

فاضل مؤلف نے اس موضوع پر ایک اور کام بھی کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کا اس حوالے سے جو تفصیلی مقالہ ہے، اس کی تخریج کی ہے اور ساتھ جگہ جگہ تعلیقات بھی کی ہے، اس کے مقدمہ میں فاضل مؤلف نے اس مقالہ کی تعریف کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کے مذہب کو خلط ملط کیا گیا ہے، پھر ساتھ ساتھ مختلف جگہوں پر مناقشات بھی کئے ہے۔

ج: امداد الفتاویٰ

حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے ایک صاحب علم کے سوال کے جواب میں اس مسئلہ پر اصولی گفتگو فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"الجواب: اس مسئلہ میں اصل مذہب اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر درمیان میں کسی فاعِل مختار کا فعل متخلل ہو جائے بشرطیکہ انتفاع اس شئے سے وجہ محرم میں منحصر نہ ہو تو اس کی بیع وغیرہ اعانت علی المعصیۃ نہیں ہے، گو کراہت بمعنی خلاف اولیٰ سے خالی نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتویٰ سے جائز ہے تقویٰ کے خلاف ہے، اور واقعی اس بناء پر سلاح میں وسعت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس میں جواز منقول نہ ہونا غالباً احد الامرین کی وجہ سے ہے، یا تو امام صاحبؒ کے حکم بکونہ خلاف الاولیٰ کو کراہت پر اور پھر کراہت کو تحریم پر محمول سمجھ لیا ہے اور یا جزئیات میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اقوال مختلط ہو گئے ہیں، یا میرے جی کو یہ لگتا ہے کہ معصیت لازمہ اور معصیت متعدیہ مضرہ للغیر میں فرق کیا ہے، یعنی تخلل فعل مختار کو معصیت لازمہ میں قاطع نسبت قرار دیا ہے اور معصیت متعدیہ میں غایت اہتمام کے لئے قاطع نہیں قرار دیا جیسا دیانات میں جبکہ خواص کا فعل سبب ہو جائے افساد عقیدہ عوام کا تو خواص کے لئے بھی مکروہ ہو جاتا ہے،

اور گو امام صاحبؒ سے یہ کلیہ منقول نہ ہو لیکن جزئیات سے کلیات مستخرج کئے گئے ہیں۔ وھٰذا أقرب الوجوہ عندي۔ اس تقریر پر پھولوں وغیرہ کا بیچنا صورتِ مسئولہ میں جائز معلوم ہوتا ہے، اگر یہ تقریر مان لی جائے تو امید ہے کہ کسی جزئی میں اشکال نہ رہے گا۔"[1]

د: اعلاء السنن

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی مفید تر کتاب "اعلاء السنن" میں اس موضوع پر مفید اور دقیق بحث فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر متسبب کو ممنوع وملعون قرار دینا ممکن نہیں ہے بلکہ سبب (واعانت) کے بعض درجات ہی ناجائز وممنوع ہیں اور وہ یہی ہے کہ گناہ کے کام میں تعاون کرنے والا یا سبب بننے والا خود گناہ کا قصد کرے یعنی اس کی نیت ہی معصیت کی ہو۔ پھر اس پر مختلف اشکالات وجوابات ذکر فرمانے کے بعد خلاصہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والحقّ أنّ ههنا فرقا ذوقيا، وهو أنّه لو علم السّلطان مِن أحد أنّه يبيع السّلاح مِن أهل الفتنة يعاقبه وإن أنكر قصد المعصية بخلاف مَن يبيع العنب والعصير مِن اليهود والنّصارىٰ فإنّه لا يؤاخذه به مع العلم بأنّهم يتّخذون الخمر. وإنْ لم يكن تعبير ذلك الفرق بألفاظ بعينها.[2]

---

[1] امداد الفتاوی جدید، ج ص ۵۴۱

[2] إعلاء السّنن، كتاب الإجارة، باب بيع العصير والعنب ممن يعلم أنّه يتّخذه خمرا، ج۱۷ص۴۳۱.

ترجمہ:" یہاں ایک ذوقی فرق بھی ہے وہ یہ ہے کہ: اگر حکمران کو کسی کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ باغیوں پر اسلحہ فروخت کرتا ہے تو اسے سزا دیدے اگرچہ وہ گناہ کے ارادے سے ایسا نہ کرے۔ البتہ جو انگور اور اس کا شیرہ یہود ونصاریٰ پر فروخت کرتا ہے تو اگرچہ اسے یہ بات معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بناتے ہیں پھر بھی اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ اگرچہ اس فرق بیان کرنے کے لیے الفاظ موجود نہیں"۔

ر: احسن الفتاویٰ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں کافی تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ ذکر فرمایا تھا جو "القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن" کے نام سے احسن الفتاویٰ میں طبع ہوا ہے[1]۔ اس میں آپ رحمہ اللہ نے حضرت فقہاء کرام کی مختلف عبارات کو جمع کرنے کے بعد ٹیلی ویژن کی بیع کو مکروہ وممنوع قرار دیا ہے اور مسئلہ سے متعلق بعض ان جزئیات پر بھی تحقیقی گفتگو فرمائی ہے جس میں فقہی عبارات مختلف تھیں۔

س: قاموس الفقہ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہم نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب "قاموس الفقہ" میں گفتگو فرمائی ہے، ان کی عبارت یہ ہے:

"فقہاء نے اس موضوع پر "کتاب الکراھیۃ" میں مختلف جزئیات نقل کی ہیں، لیکن تعاون کی کونسی حد ہے جو حلال وحرام کے درمیان فاصل ہے، اس کے لئے متعین اور قطعی اصول مقرر نہیں کئے گئے ہیں، ماضی قریب کے علماء میں مولانا مفتی شفیع صاحبؒ

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۵۳۶

نے "تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام" کے نام سے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا ہے، جو بہت خوب ہے، تاہم یہ موضوع ابھی بھی تشنۂ تحقیق ہے، راقم سطور نے ان حضرات سے استفادہ کے بعد جو کچھ سمجھا ہے، وہ حسب ذیل ہے:

غیر مقصود تعاون

اعانت سے مراد اگر محض کسی چیز میں کام آجانا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس سے بچنا مشکل بھی ہے۔۔۔ شریعت کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ وہ عسر اور تنگی کو نہیں چاہتی، یسر، سہولت اور فراہی کو پسند کرتی ہے، اس لئے فقہاء نے اس قسم کی بالواسطہ مدد کو اس "اعانت" کی فہرست میں نہیں رکھا ہے، جو حرام ہے اور جس کی حرمت پر خود کتاب اللہ شاہد ہے۔۔ اسی لئے فقہاء نے بھی اس تعاون مقصود نہ ہو اور تعاون براہ راست بھی نہ ہو ناجائز نہیں کہا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان حمال سے شراب کے مٹکے اٹھوائے یا انگور کا رس نچوڑنے پر متعین کرے تو یہ معاملہ بھی درست ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی اجرت بھی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حلال و طیب ہوگی۔۔۔ البتہ تین صورتیں ہیں جو یقیناً ناجائز اور گناہ کی ہوگی:

ایک یہ کہ وہ ایسا کام کر رہا ہو جس کا مقصود اور جس کی وضع کا منشاء ہی کوئی گناہ کی بات ہو، مثلاً ایسے آلات اور اسباب کی تجارت جن کا مقصد ہی لہو و لعب ہو، جیسے بت فروشی، بت گری، گانے بجانے کے سامان، فلمی گانوں کے ریکارڈ کیسٹ، فحش تصاویر اور لٹریچر کی طباعت واشاعت وغیرہ۔

یہ چیز بذات خود گناہ کا ذریعہ ہیں اور ان کا مقصد گناہ و معصیت کی اشاعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس لئے ان کی حرمت میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا، ہمارے زمانہ میں بینک انشورنس کی ملازمت، وکالت کے پیشہ میں مجرم کی ہم نوائی، جنسی کتابوں کی طباعت اور تجارت، فلمی لٹریچر کی اشاعت وغیرہ اسی زمرے میں داخل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا عمل بذات خود درست ہو اور اس کی نیت بھی یہ نہیں ہو ، مگر بعض ایسے قرائن موجود ہوں جو اس بات کو بتلاتے ہوں کہ اس کے اس عمل سے کسی معصیت اور گناہ کو تقویت اور مدد حاصل ہو گی اور قرائن اس کے علم میں بھی ہوں، یہ صورت بھی معصیت میں داخل سمجھی جائے گی اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے اس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کسی ایسے شخص سے غلام کی بیع کی جائے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ لواطت کا مریض ہے یا ایسے ملک کے ہاتھ اسلحہ فروخت کیا جائے جو عالم اسلام سے جنگ کے درپے ہے۔

اس لئے کہ ایک لواطت کے خوگر آدمی کا امرد کو خرید کرنا اور ایک ایسے ملک کا اسلحہ خرید کرنا جو مسلمانوں سے برسرعداوت ہے، اس بات کا واضح قرینہ ہے وہ اس کا استعمال معصیت و گناہ اور عالم اسلام کو ضرر پہنانے کے لئے کرے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کا اس نیت سے کرے کہ اس سے معصیت میں مدد ملے گی ، گو وہ کام اپنی اصل اور موقع کے لحاظ سے معصیت کے لئے نہ ہو، لیکن اس کا استعمال گناہ کے لئے بھی کیا جا سکتا ہو۔ یہ صورت بھی جائز نہ ہو گی ،اس لئے کہ کسی کام کے مذموم ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو وہ کام خود مذموم اور گناہ کا ہو، یا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو درست ہو، البتہ اس کے پیچھے جو نیت کار فرما ہے، وہ مذموم اور ناپسندیدہ ہو پہلی دونوں صورتوں میں یہ عمل بذات خود مذموم تھا، اس لئے وہ معصیت میں تعاون شمار ہو گا، چاہے نیت اچھی ہو یا بری، جب کہ اس صورت میں کام اپنی جگہ درست ہے، مگر نیت نے اس کو مذموم کر دیا ہے۔

پھر اس نیت اور قصد کی بھی دو صورت ہے، ایک یہ کہ عمل کے وقت خود اس شخص کا یہی ارادہ اور نیت ہو، مثلاً کسی باغی کو اسی نیت اور ارادہ سے ہتھیار دے کہ وہ ظلم کے لئے اس کا استعمال کرے گا، دوسرے یہ کہ خود اس کا ارادہ تو ایسا نہ تھا مگر جو شخص اس سے کام لے رہا ہے، اس نے اپنے ارادۂ معصیت کا اظہار کر دیا اور پھر بھی وہ اسی کام کو کرے

،مثلاً کوئی شخص کہے کہ :میں ظلم و بغاوت کے لئے ہتھیار خرید رہا ہوں ، تاجر کا اصل مقصود تو محض اسلحہ فروشی تھا ،اس قسم کے فتنوں میں شریک ہو نا نہ تھا مگر یہ صورتِ حال سامنے آجانے کے باوجود بھی وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کر دیا تو بھی سمجھا جائے گا کہ معاملہ سے پہلے پہلے اس کا ارادہ یہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ: اگر کوئی غیر مسلم یہ کہہ کر مکان کرایہ پر لے کہ میں اس میں شراب فروخت کروں گا تو مسلمانوں کے لئے اس کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے،اور گو امام ابو حنیفہؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے مگر صاحبین اس ناجائز کہتے ہیں اور صاحبین کی رائے معقولیت کی بنا پر امام سرخسیؒ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔"

ش: بحرین سیمینار

"مجمع فقہاء الشریعہ بأمریکا" نے سن ۱۴۲۸ھ میں بحرین میں اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا جس میں اس موضوع پر شرکاء واراکین کے درمیان بحث ومناقشہ ہوا اور آخر میں ایک قرار داد تیار ہوا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اعانت علی المعصیت کی چار قسمیں ہیں:

۱: مباشرت یعنی براہ راست تعاون ہو اور مقصود بھی ہو، جیسا کہ ایک شخص دوسرے کو پلانے کی نیت سے شراب دیدے۔

۲: مباشرت ہو مگر مقصود نہ ہو، مثلاً ان چیزوں کو فروخت کرنا جن کا کوئی جائز استعمال نہیں ہوتا بلکہ ناجائز اور گناہ کے کام ہی میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ فروخت کنندہ گناہ کے کام میں استعمال کرنے کی نیت نہ کرے۔

۳: مباشرت نہ ہو مگر مقصود ہو، مثال کے طور پر کوئی شخص دوسرے کو اس نیت سے رقم دیدے کہ وہ اس سے شراب یا کوئی اور حرام چیز خریدے۔

۴: مباشرت بھی نہ ہو اور قصد بھی نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی ایسی چیز فروخت کر دے جس کا استعمال گناہ کے کام کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ جائز و ناجائز ہر طرح استعمال ہو سکتا ہو اور فروخت کنندہ اس میں گناہ کے کام میں استعمال ہونے کی نیت بھی نہ کرے۔ کفار اور فساق کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا، اجارہ پر دینا یا یوں ہی مفت صدقہ یا ہدیہ کے طور پر دینا بھی اسی قسم کے تحت داخل ہیں۔

ان چار اقسام میں سے پہلی تین قسمیں ناجائز ہیں جبکہ آخری قسم جائز ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس موضوع پر کافی کام کیا گیا اور بعض کام ایسے ہیں جو اگرچہ خاص اعانۃ علی المعصیۃ وغیرہ عنوان سے نہیں ہے لیکن فی الجملہ اس موضوع سے متعلق ہے، مثلاً "سدّ ذرائع" کے موضوع پر متعدد کتابیں موجود ہیں اور بعض جگہ اس پر فقہی مجالس میں بحث و مباحثہ بھی ہوا ہے جبکہ سدّ ذرائع کا زیر بحث مسئلے کے ساتھ بھی بہت کچھ تعلق ہے، چنانچہ اعانت کی صورت اگر خود کسی معصیت پر مشتمل نہ ہو تو اس کے ناجائز ہونے کی ایک بنیادی علت یہی ہے کہ یہ اعانت علی المعصیت ہے، اس لئے بہت سے معاصرین نے سدّ ذرائع کی بحث میں زیر بحث مسئلے کو بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

موضوع سے متعلق چند نصوص

قرآن کریم میں ہے:

{تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ } [المائدة: ٢]

ترجمہ: "آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے "۔

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

{وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [الأنعام: ١٠٨]

ترجمہ: " اور جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ بے سمجھی سے زیادتی کر کے اللہ کو برا کہیں گے اس طرح ہر ایک جماعت کی نظر میں ان کے اعمال کو ہم نے آراستہ کر دیا ہے پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر آنا ہے تب وہ انہیں بتلائے گا جو کچھ کیا کرتے تھے"۔

"سورۃ نحل" میں ہے:

{وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ} [النحل: ٩٤]

ترجمہ: "اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ نہ بناؤ کبھی قدم جمنے کے بعد پھسل نہ جائے پھر تمہیں اس سبب سے کہ تم نے راہ خدا سے روکا تکلیف اٹھانی پڑے اور تمہیں بڑا عذاب ہو"۔

" صحیح مسلم" کی روایت ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم قال: «من الكبائر شتم الرجل والديه» قالوا: يا رسول الله، وهل يشتم الرجل والديه؟ قال: «نعم يسب أبا الرجل فيسب أباه، ويسب أمه فيسب أمه».[١]

ترجمہ:"حضرت عبداللہ بن عمروبن العاص رضی اللہ عنہماسے آپ ﷺ کاارشاد گرامی مروی ہے کہ :کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیایارسول اللہ ﷺ کوئی اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتاہے؟فرمایا:دے سکتاہے،جب وہ کسی کے اور کے باپ کو گالی دیتاہے تووہ اس کے باپ کو گالی دیتاہے کوئی دوسرے کی ماں کو گالی دیتاہے تووہ اس کی ماں کو گالی دیتاہے"۔

"صحیح بخاری"میں ہے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، أن النبي صلىٰ الله عليه وسلم قال: «إن أعظم المسلمين جرما، من سأل عن شيء لم يحرم، فحرم من أجل مسألته».[٢]

ترجمہ:"حضرت سعدبن وقاص رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کاارشاد گرامی منقول ہے کہ سب سے بڑامجرم وہی مسلمان ہے جوکسی غیر حرام چیز کے بارے میں سوال کرے اوراس سوال کی وجہ سے وہ حرام ٹھہرے"۔

"صحیح مسلم"میں ہے:

---

[١] صحيح مسلم، كتاب الإيمان،باب بيان الكبائر وأكبرها،رقم الحديث:١٤٦،ص٩٢.

[٢] صحيح البخاري،باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه،رقم الحديث: ٧٢٨٩.

قال رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم: «من سن في الإسلام سنة حسنة، فله أجرها، وأجر من عمل بها بعده، من غير أن ينقص من أجورهم شيء، ومن سن في الإسلام سنة سيئة، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير أن ينقص من أوزارهم شيء».[١]

ترجمہ: "آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جو اسلام میں سے کسی اچھی سنت پر عمل کر (کے اسے زندہ کر) ے تو اسے اپنا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا، حالانکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جو کوئی اسلام میں کوئی برا کام ایجاد کرے تو خود اس پر اپنے گناہ کا وبال بھی ہو گا اور بعد میں اس پر جو بھی عمل کرے گا اس کا وبال بھی اس کے ذمے ہو گا، حالانکہ (ایجاد کرنے والے کے ذمے ان کے گناہ ہونے کی وجہ سے) ان لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی"۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب "بلوغ المرام" میں ہے:

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلىٰ الله عليه وسلم -: «مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ، حَتَّىٰ يَبِيعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْراً، فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ» رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي «الْأَوْسَطِ» بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.[٢]

---

[١] صحيح مسلم ،باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، ج٢ص٧٠٥.

[٢] بلوغ المرام من أدلة الأحكام ت فحل،ص: ٣١٣.

ترجمہ:"حضرت بریدہ رضی اللہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ جو کٹائی کے دنوں میں انگور محفوظ رکھ کر شراب بنانے والوں پر فروخت کرے تو اس نے سمجھ بوجھ کے ساتھ خود کو جہنم میں گرادیا"۔

قواعد / اسباب حرمت

گناہ کے کام میں تعاون یا تسبب کی بناء پر جن جزئیات ومسائل کو ناجائز قرار دیا جاتا ہے، ان میں عام طور پر جن وجوہات کی بناء پر یہ حکم لگایا جاتا ہے، یہاں ان عام اسباب کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ بحث اچھی طرح واضح اور منقح ہو جائے گی۔ ایسے اسباب درج ذیل ہیں:

پہلا سبب: مباشرت حرام

جو چیز حرام یا ناجائز ہو، اس کا ارتکاب کرنا۔ یعنی تعاون کی ایسی صورتیں جو بذات خود گناہ ہوں، مثال کے طور پر کسی مسلمان کے ہاتھ خمر وخنزیر وغیرہ کوئی ایسی فروخت کرنا جس کا کوئی جائز استعمال موجود نہ ہو بلکہ ناجائز طور پر ہی وہ استعمال کیا جاتا ہو۔ اب ایسی چیز فروخت کرنا خود بھی عقد باطل ہونے کی وجہ سے گناہ ہے اور خریدار کے ساتھ ناجائز طور پر استعمال کرنے کی راہ میں ایک گونہ تعاون بھی ہے۔

دوسرا سبب: قصدِ حرام

جو خیالات وافکار غیر اختیاری طور پر آتے ہیں، ان کا تو انسان مکلف نہیں ہے، اس لئے اس پر کوئی گناہ ومؤاخذہ بھی نہیں ہے۔ لیکن انسان اپنے اختیار سے جو عزم کرتا ہے، اکثر اہل علم کے نزدیک اس کا وہ مکلف ہے، لہٰذا اگر نیک کام

کا ارادہ ہو اور اخلاص کے ساتھ ہو تو اس پر ان شاء اللہ اجر واثواب دیا جائے گا اور اگر کسی گناہ ومعصیت کا ارادہ وعزم کیا، تو اس پر گناہ وعذاب کا مستحق بن جاتا ہے، البتہ بعض روایات کی بنیاد پر متعدد اہل علم کے نزدیک اس کا بھی ان شاء اللہ گناہ نہیں ہو گا۔ علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الخامسة – العزم وهو قوة القصد والجزم به وعقد القلب، وهذا يؤاخذ به عند المحققين لقوله صلى الله عليه وسلم «إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار، قيل يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول، قال إنه كان حريصا على قتل صاحبه». فعلل بالحرص (وللإجماع) على المؤاخذة بأعمال القلوب كالحسد.[1]

ترجمہ: "عزم یعنی پکا ارادہ کرنا: محققین اہل علم کے نزدیک اس پر بھی پکڑ ہو گی، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جب مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: قاتل کے بارے میں تو بات درست ہے، مگر مقتول کی یہ حالت کیوں ہو گی؟ فرمایا: اس وجہ سے کہ وہ بھی اپنے مدمقابل کے قتل کا حریص تھا"۔ نیز اجماع کی وجہ سے بھی کیونکہ دلی اعمال مثلاً: حسد پر مواخذہ ہونا بالاتفاق ثابت ہے"۔

"اشباہ" میں ہے:

---

[1] المنثور في القواعد الفقهية، حرف الحاء، ج ٢ ص ٣٦. اس مسئلہ سے متعلق حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے امالی بخاری میں تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، اس کو بھی ایک نظر ملاحظہ کرنا مفید ہے، ملاحظہ ہو: فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله، ج ٤ ص ٢٣.

وأما الهم فقد بين في الحديث الصحيح أن الهم بالحسنة يكتب حسنة وأن الهم بالسيئة لا يكتب سيئة، وينظر، فإن تركها لله تعالىٰ كتبت حسنة، وإن فعلها كتبت سيئة واحدة والأصح في معناه أنه يكتب عليه الفعل وحده، وهو معنىٰ قوله: واحدة، وأما الهم فمرفوع وأما العزم فالمحققون علىٰ أنه يؤاخذ به ومنهم من جعله من الهم المرفوع، وفي البزازية من كتاب الكراهية: هم بمعصية لا يأثم إن لم يصمم عزمه عليه، وإن عزم يأثم إثم العزم لا إثم العمل بالجوارح، إلا أن يكون أمرا يتم بمجرد العزم كالكفر.[١]

ترجمہ:" صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نیکی کاارادہ کرنے پر بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور گناہ کے ارادے پر گناہ نہیں لکھی جاتی بلکہ انجام کو دیکھا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رضاکی خاطر اگروہ گناہ سے باز رہے تواس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اوراگر(خدانخواستہ)وہ گناہ کاارتکاب کرے توایک گناہ لکھی جاتی ہے۔مگراس کی صحیح تاویل یہ ہے کہ اس صورت میں صرف وہ عزم کاثواب وعقاب لکھا جاتا ہے ،چنانچہ حدیث مبارکہ میں لفظ ایک سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ محض دلی خیالات پر پکڑ نہیں۔البتہ محققین کے نزدیک پختہ ارادے پر پکڑ ہوگی،اگرچہ بعض فقہاء نے عزم کو بھی محض دلی خیال کی طرح ناقابل مواخذہ شمار کیاہے۔فتاوی بزازیہ کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ:دل میں گناہ کاخیال آنے سے گناہ گارنہ ہوگاجب تک پختہ ارادہ نہ کرے البتہ پختہ ارادہ کرے توارادے کی حدتک گنہگار ہوگا،ارتکاب گناہ کی حدتک گنہگارنہ ہوگاالبتہ اگروہ کام ایساہوجو محض دلی ارادے سے وجود میں

---

[١] الأشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر،الفن الأوّل، القاعدة الثّانية،ج١ص١٧٤.

آتا ہو مثلاً کفر (تو پھر محض ارادے کا گناہ نہ ہو گا بلکہ عمل کا گناہ اور اس کا اثر بھی مرتب ہو گا)

تیسرا سبب: رضا بالحرام

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

{ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ } [النور: ١٩]

ترجمہ: "بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

یہاں اسلامی معاشرے میں بے حیائی پھیل جانے کو محض پسند کرنے پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ دوسرے سبب یعنی قصد حرام اور اس تیسرے سبب یعنی رضا بالحرام کے درمیان فرق یہ ہے کہ: بسا اوقات کسی حرام کا ارتکاب یا اس کے کرنے کا قصد وارادہ تو کیا جاتا ہے لیکن دل میں اس کے ذریعے گناہ و معصیت پھیلنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ کسی دیگر دنیوی مفاد کی لالچ میں یا اپنے زعم کے مطابق کسی مجبوری کے عالم میں کر گزرتا ہے، اب اس صورت میں ارتکاب حرام یا قصد حرام تو پایا گیا مگر تیسرا سبب موجود نہیں ہے۔ اسی طرح درج بالا پہلے دو اسباب کا تعلق عام طور پر اپنے ہی کام کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ تیسرے سبب کا حال مختلف ہے۔ یاد رہے کہ کسی گناہ و معصیت کی نشر واشاعت کو پسند کرنا اعانت علی المعصیت کو مستلزم نہیں ہے لیکن اس موضوع

سے متعلقہ بعض جزئیات میں یہ سبب بھی پایا جاتا ہے اس لئے اس کو بھی ذکر کرنا مناسب خیال کیا گیا۔

چوتھا سبب: تحریک وجلب معصیت

قرآن کریم میں ہے:

{وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [الأنعام: ١٠٨]

ترجمہ: "اور جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ بے سمجھی سے زیادتی کرکے اللہ کو برا کہیں گے اس طرح ہر ایک جماعت کی نظر میں ان کے اعمال کو ہم نے آراستہ کر دیا ہے پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر آنا ہے تب وہ انہیں بتلائے گا جو کچھ کیا کرتے تھے"۔

"صحیح مسلم" کی روایت ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «من الكبائر شتم الرجل والديه» قالوا: يا رسول الله، وهل يشتم الرجل والديه؟ قال: «نعم يسب أبا الرجل فيسب أباه، ويسب أمه فيسب أمه».[1]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی مروی ہے کہ: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، رقم الحديث: ١٤٦، ص٩٢.

والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کوئی اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: دے سکتا ہے، جب وہ کسی کے اور کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے کوئی دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے"۔

ان دونوں نصوص سے واضح ہوا کہ جو کام کسی معصیت کے لئے باعث و محرک ثابت ہو اور اس کے نتیجے میں معصیت وجود میں آئے، وہ شرعاً جائز نہیں ہے اور ایسا کام گو جائز ہو لیکن جب کسی معصیت کے لئے واضح طور پر محرک ثابت ہوتا ہے، تو جو شخص اس کا ارتکاب کرے گا وہ اس معصیت کا بھی ذمہ دار ہو گا جو اس کے نتیجے میں وجود میں آئے گی اور اس معصیت کی نسبت بھی اس کی طرف ہو گی۔ چنانچہ صحیح مسلم کی درج بالا روایت اس بارے میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

امام صاحب کے موقف کی تنقیح و تحقیق

تعاون علی المعصیہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا مفہوم و مصداق کیا ہے؟ نیز کس حد تک اشتراک و مداخلت کو تعاون مذموم قرار دیا جائے گا؟ اس کے متعلق فقہی کتابوں میں کوئی مستقل باب و عنوان تو مذکور نہیں ہے لیکن "اجارہ" اور "کراہیۃ" کے ابواب میں مختلف جزئیات کے ضمن میں حضرات فقہاء کرام نے اس کی بڑی حد تک تفصیل ذکر فرمائی ہیں جس میں غور کرنے سے بڑی حد تک یہ مسئلہ سلجھ جاسکتا ہے، لیکن متعدد جزئیات میں اختلاف اور پھر ان کی توجیہ و تفصیل میں ظاہری اختلاف و تضاد سا معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے میں کچھ پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر دیگر ائمہ کا موقف سمجھنا کچھ زیادہ

مشکل نہیں ہے لیکن فقہاء حنفیہ اور خصوصاً امام صاحب رحمہ اللہ کا اصل موقف سمجھنے میں کافی ابہام وپوشیدگی پائی جاتی ہے، اس لئے یہاں اسی کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ ہمارے سامنے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی براہ راست کوئی مستقل کتاب اس وقت موجود نہیں ہے، اس لئے خود آپ کے زبانی آپ کا موقف سمجھنا ممکن نہیں ہے، اس کے لئے حضرت امام ابو یوسف اور خصوصاً حضرت امام محمد رحمہا اللہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ان کی کتابوں اور متاخرین فقہاء حنفیہ کی کتابوں کی طرف مکرر مراجعت کرنے کے بعد حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا اس حوالے سے جو موقف معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ:

الف: اعانت علی المحرم کی اصلاً وہ صورت ناجائز ہے جہاں اس حرام کی نسبت اعانت کرنے والے کی طرف ہو۔ فروختگی یا اجارہ پر دیدینے کے بعد چونکہ اس گناہ کی نسبت فروخت کنندہ یا اجارہ پر دینے والے کی طرف نہیں ہوتی، اس لئے ایسی صورت ناجائز اعانت میں شمار نہیں ہوگی، البتہ اگر اس کے ناجائز ہونے کی کوئی اور بنیاد موجود ہو تو دوسری بات ہے۔

ب: زید بکر کے ساتھ کوئی معاملہ کرتا ہے جس کے نتیجے میں بکر کسی معصیت کا ارتکاب کرے گا اور زید کو یقین یا غالب گمان ہو کہ اگر میں یہ کام نہ کروں تو بکر معصیت نہیں کرے گا، تو اس صورت میں بھی زید کے لئے ایسا معاملہ انجام دینا مکروہ ہے۔ ہمارے فقہائے حنفیہ کے ہاں اس کو عموماً اعانت علی المعصیت یا

تسبب للمعصیت قرار دیاجاتا ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کے ہاں یہ وہی سدّ ذرائع کی ایک صورت ہے اوراسی بنیاد پر اس کو مکروہ قرار دیاجاتا ہے۔

پہلی صورت کا حکم درج ذیل جزئیات سے معلوم ہوتا ہے، ہدایہ میں ہے:

قال: "ومن أجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به" وهذا عند أبي حنيفة، وقالا: لا ينبغي أن يكريه لشيء من ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية. وله أن الإجارة ترد على منفعة البيت، ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه.[1]

ترجمہ: "اگر کسی نے گاؤں میں کوئی گھر کرایہ پر دیا تاکہ اس میں آتش کدہ یا کنیسہ یا گرجاگھر بنایاجائے، یااس میں شراب بیچی جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ امام صاحب کامسلک ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ: ان میں سے کسی بھی چیز کے لیے کرایے پر دینامناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں مدد کے مترادف ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ: اجارہ گھر کے فائدہ سے متعلق ہے، اس وجہ سے محض گھر حوالہ کرنے سے کرایہ واجب ہوتا ہے، اور نفس اجارہ میں کوئی معصیت نہیں، گناہ تو کرایہ دار کے عمل میں ہے اور وہ اس سلسلے میں خود مختار ہے، لہذا اجارہ سے گناہ کی نسبت منقطع ہوگئی"۔

"تبیین" میں ہے:

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في البيع، ج٤ص٣٧٨.

(وإجارة بيت ليتخذه بيت نار أو بيعة أو كنيسة أو يباع فيه خمر بالسواد) أي جاز إجارة البيت ليتخذه معبدا للكفار والمراد ببيت النار معبد المجوس، وهذا عند أبي حنيفة – رحمه الله –، وقالا لا ينبغي أن يكريه لشيء من ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية، وقد قال الله تعالى {وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان} وله أن الإجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار فيه لقطع نسبته عنه فصار كبيع الجارية لمن لا يستبرئها أو يأتيها من دبرها أو بيع الغلام من لوطي والدليل عليه أنه لو آجره للسكنى جاز، وهو لا بد له فيه من عبادته.[1]

ترجمہ: "آتش کدہ، کنیسہ یا دیہات میں شراب خانہ کے لیے گھر کرایہ پر دینا حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک درست ہے جب کہ حضرات صاحبین کے نزدیک ان میں سے کسی چیز کے لیے بھی گھر کرایہ پر دینا مناسب نہیں، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے"۔ حضرت امام صاحب کے نزدیک یہاں کرایہ داری کا معاملہ دراصل گھر سے فائدہ اٹھانا ہے اس وجہ سے محض گھر حوالہ کرنے پر کرایہ اس کے ذمے لازم ہوتا ہے اور گھر حوالہ کرنے میں گناہ کا عنصر نہیں، بلکہ وہ تو کرایہ دار کا عمل ہے جس میں وہ خود مختار ہے، اس وجہ سے اس کی نسبت مالک مکان کی طرف نہ کی جائے گی، اس کی مثال

---

[1] تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، ج٦ص٢٩.

یوں ہے کہ بندہ باندھی کو کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرے جو استبراء کا اہتمام نہیں کرتا، یا اس کے ساتھ لواطت کا ارتکاب کرتا ہے۔ یا کوئی اغلام بازی کے مرتکب شخص کے ہاتھوں غلام فروخت کرے۔ معاملہ کے جائز ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اسے رہنے کے لیے گھر کرایہ پر دیدے تو (بالاتفاق) جائز ہے حالانکہ وہ ضرور اس میں عبادت کرتے ہیں (تو جس طرح یہ معاملہ درست ہے کرایہ کا وہ معاملہ بھی درست ہونا چاہیے)۔

ان عبارات میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا گھر غیر اللہ کے عبادت خانہ بنانے کے لئے کرایہ پر دیدے تو حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ اور اعانت علی المعصیت ہے جبکہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس بات کی گنجائش ہے، پھر امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے دلیل یہ ذکر فرمائی گئی ہے کہ اصل عقد اجارہ گھر یا زمین پر ہوتا ہے اور اس میں بذات خود کوئی معصیت نہیں ہے، اگر کوئی معصیت ہے تو اس میں کرایہ دار خود مختار ہے، لہٰذا اگر وہ اپنی مرضی سے اس گھر / زمین کو ناجائز کام میں استعمال کرتا ہے تو اصل مالک کی طرف اس کی نسبت نہیں ہو سکتی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصل مالک نے اپنی زمین یا مکان کو معصیت کے کام میں استعمال کیا۔ جب مالک مکان کی طرف اس گناہ کی نسبت نہیں ہو سکتی بلکہ کرایہ دار ہی اس کا کرنے والا شمار ہوتا ہے تو مالک گناہ گار بھی نہیں ہوگا اور یہ اس کی طرف سے ناجائز اعانت شمار نہ ہوگی۔ اس استدلال کا یہ دوسرا مقدمہ ("جب مالک مکان سے" سے یہاں تک) بدیہی ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے درج ذیل جزئیہ سے بھی حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ موقف معلوم کیا جا سکتا ہے:

وكذلك رجل ذمي استأجر رجلاً مسلماً يحمل له خمراً فإن أبا يوسف ومحمداً قالا: لا يجوز ذلك، ولا أجر له. وقال أبو حنيفة: هو جائز، وله الأجر. وقال أبو حنيفة: هو مثل رجل حمل لرجل ميتة أو عذرة أو جيفة. وقال أبو يوسف ومحمد: لا يشبه هذا الميتة ولا الجيفة، إنما يحمل الميتة لتلقى أو ليماط أذاها، وأما الخمر إنما يحمل للشرب والمعصية..[1]

ترجمہ:" اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کا شراب اجرت پر لے جائے، تو حضرات صاحبینؒ کے نزدیک یہ معاملہ ناجائز ہے اور کوئی کرایہ لازم نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے اور مسلمان اجرت کا حق دار ہو گا۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دوسرے سے کوئی مردہ جانور یا گندگی اٹھانے کے لیے کہے۔ جب کہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ: یہ مردہ اور گندگی لے جانے کی طرح نہیں، کیونکہ مردہ یا گندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے اسے دور پھینکا جاتا ہے جب کہ شراب پینے اور گناہ کے لیے لیا جاتا ہے"۔

اور جہاں تک دوسری صورت کا حکم ہے تو درج ذیل عبارات اس کے بارے میں واضح ہیں:

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] الأصل للشيباني ط قطر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ومالا يجوز منها، ج٤ص١٦.

ويكره كسب الخصيان مِن بني آدم، وملكهم، واستخدامهم، وقال أبو حنيفة رضي الله عنه لولا استخدام النّاس إيّاهم لما أخصاهم الّذين يخصونهم.[١]

ترجمہ:"خصی غلاموں کی تجارت ،لین دین یابطورخادم رکھنامکروہ ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :اگرلوگ اس کالین دین چھوڑ دے توپھراسے خصی کرنے کی نوبت نہ آئے گی"۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ کی تحقیق

امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ متقدم حنفی عالم ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر، حدیث، فقہ اوراصول فقہ میں رسوخ ومہارت سے نوازا تھا، اس علم ورسوخ کی وجہ سے وہ متقدمین کے اسلوب میں مسائل اور ان کے دلائل پر مفید وپُر مغز گفتگو کرتے ہیں جس سے پیچیدہ مسئلہ بھی بڑی حد تک سلجھ جاتا ہے۔ انہوں نے "مختصر طحاوی" کی شرح میں ایک جزئیہ کے ضمن میں اس مسئلہ کو ذکر کیایا ہے اوراس کی ایسی توضیح وتشریح فرمائی ہے جس سے اس مسئلہ اوراس سے متعلق فقہی جزئیات کے مختلف گوشے واضح ہوجاتے ہیں۔ یہاں مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ان کی عبارت ذکر کی جاتی ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال: (ولا بأس ببيع العصير من كل أحد: خاف البائع أن يتخذه المشتري خمرًا، أو أمن ذلك).

---

[١] مختصر الطحاوي، كتاب الكراهية،ص٤٤٣. مطبوعه لجنة إحياء المعارف النّعمانية بحيدرباد الدكن،الهند.

ترجمہ:" فروخت کرنے والے کو یہ ڈر ہو کہ خریدار انگور کے رس سے شراب بنائے گا یا اسے ڈر نہ، بہر حال ہر کسی پر انگور کا رس فروخت کرنے میں حرج نہیں"۔

اس کی دلیل میں امام رازی فرماتے ہیں:

وذلك لأن العصير مباح جائز التصرف فيه، وإنما المأثم على من يتخذه خمرًا لشربها، فأما البائع فلا شيء عليه في ذلك، كبيع الحرير والحلي من الرجال: فهو جائز مباح وإن لم يأمن أن يلبسه الرجل، أو يستعمله فيما لا يجوز.

ترجمہ:"رس مباح چیز ہے اور اس کا استعمال بھی جائز ہے، گناہ گار تو وہ شخص ہے جو اس سے شراب بناتا ہے۔ فروخت کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ ریشم اور زیورات مردوں پر فروخت کرنا جائز اور مباح ہے اگرچہ یہ ڈر ہو کہ مرد اس ریشم کو پہنے گا یا زیورات خود استعمال کرے گا"۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس دلیل کا مقتضی تو یہ ہے کہ فتنہ کے زمانے میں اسلحہ فروخت کرنا بھی جائز ہو، حالانکہ وہ آپ کے نزدیک مکروہ وممنوع ہے۔ اس اشکال وجواب کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فإن قيل: فقد كرهتم بيع السلاح في الفتنة، وفي عساكر الفتنة، فهلا كان كذلك بيع العصير ممن يتخذه خمرًا؟ قيل له: الفصل بينهما: أن السلاح على هيئته هذه يستعان به على القتال، فإذا كان زمان الفتنة: كره بيعه ممن يستعين به عليها، كما يكره إعطاء صاحب الفتنة من الخوارج وأهل الحرب، وأما العصير فلا بأس بالانتفاع به على

هيئته كيف شاء صاحبه، وإنما المحظور منه بعد استحالته خمرًا، وليست هي المعقود عليها في الحال.

ترجمہ: "اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ باغیوں پر اسلحہ فروخت کرنا کیوں مکروہ قرار دیتے ہیں کیا وہ رس سے شراب بنانے والے کے ہاتھوں رس فروخت کرنے کی طرح نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (دونوں میں فرق ہے) اسلحہ اسی موجودہ شکل میں جنگ کے لیے استعمال ہوتا ہے (اور اس میں مزید کسی عمل کی ضرورت نہیں رہتی) تو جب فتنے برپا ہوں تو اس وقت اس کی مدد سے بغاوت کرنے والوں یا حربی کفار کے ہاتھوں جنگ کے لیے فروخت کرنا منع ہے۔ اور مالک کے لیے رس سے اس موجودہ حالت میں ہر طرح فائدہ اٹھانا جائز ہے اگر کچھ ممانعت ہے تو شراب بننے کے بعد ہے حالانکہ اس پر عقد نہیں ہوا ہے"۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو مرد کے ہاتھ ریشم اور زنانہ زیورات فروخت کرنا بھی ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ زیور کو اسی حالت کے ساتھ معصیت میں استعمال کیا جاتا ہے جس پر اس کی خرید و فروخت کی جاتی ہے، اس اشکال اور پھر اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإن قيل: فينبغي أن يكره بيع الحرير والحلي من الرجال؛ لأنهما على هيئتهما ينتفع بهما في الجهة المحظورة. قيل له: لم نقل إن بيع السلاح مكروه، لأجل إمكان الانتفاع به على هذه الهيئة في الوجه المحظور، دون أن تكون الحال دالة عليه، وهو إن يكون في عسكر الفتنة، أو زمان الفتنة مع ما وصفنا من حاله. وأما الحرير والحلي، فليس لهما حال ظاهرة يمنع ببيعهما وإن كان الانتفاع بهما ممكنًا على الوجه

المحظور، وبيع العصير يشبه من هذه الجهة بيع الحرير والحلي من الرجال، إذ ليست ها هنا حال ظاهرة يقتضي أن يكون شراء العصير لأن يتخذ خمرًا، فوجب أن لا يمنع بيعه.

ترجمہ: "اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ: پھر تو مرد کے ہاتھوں ریشم اور زیورات فروخت کرنا بھی ممنوع ہونا چاہیے، کیونکہ اس سے بھی موجودہ حالت میں (کوئی تبدیلی کیے بغیر) ناجائز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اسلحہ کی خرید و فروخت کی ممانعت محض اس بنیاد پر نہیں کرتے کہ وہ بس اسی موجودہ حالت میں ناجائز کام کے لیے استعمال ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ ظاہر حال اس پر دلالت کرتا ہو کہ لینے والے فتنہ گر ہیں یا وقت فتنہ کا ہے، جب کہ ریشم اور زیورات کی ظاہری حالت کچھ اس طرح نہیں کہ وہ اس بیع کے لیے ممانعت کا سبب بنے اگرچہ ناجائز طریقہ سے اس کا استعمال ممکن ہے۔ رس کا حکم بھی اس لحاظ سے ریشم اور زیورات کی طرح ہے، کیونکہ یہاں ایسی کوئی ظاہری صورت حال نہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ رس کی خریداری شراب بنانے کے لیے کی جارہی ہے تو یہاں بیع کو ممنوع نہ قرار دینا ضروری ہے"۔

اس پر یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں تو انگور نچوڑنے والے پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے جبکہ اس پر لعنت ہے تو فروخت کرنے والے پر کیوں نہ لعنت ہو! حالانکہ دونوں شراب پیدا ہو جانے کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں۔ اس کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے امام رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وأما ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم: "أنه لعن الخمر، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، وبيعها": فما ذكر في الخبر فلا

دلالة عليه على مسألتنا؛ لأن ذلك وارد في الخمر، وكلامنا في عصير ليس بخمر. فإن قيل: إنما عنى عاصر العنب للخمر، فينبغي أن يكون بائع العصير للخمر مثله. قيل له: قولك إنه عنى عاصر العنب للخمر: دعوى لا دلالة عليه من الخبر، لأن الخمر نفسه قد يجوز أن يعتصر، بأن يطرح العنب في الإناء حتى ينشي ويغلي، ثم يعصر، فيكون عاصرًا للخمر، وهذا الذي اقتضاه ظاهر الخبر؛ لأنه لعن عاصر الخمر، فينبغي أن يكون خمرًا في حال العصير. وعلى أنا ننهى أيضًا عن عصير العنب للخمر، ومن فعل ذلك فهو عاصر، وإنما مسألتنا فيمن باع ولم يعصره، وإنما خاف أن يعصره المشتري، فلا يكون البائع منهيًا عنه لأجل فعلٍ يحدث بعده من غيره.[1]

ترجمہ: "آپ ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں شراب اور شراب کش اور جس کے لیے نچوڑا جاتا ہے، لے جانے والے اور فروخت کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس حدیث سے ہمارے اس مسئلہ میں کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ وہ روایت شراب کے بارے میں وارد ہے، جب کہ ہم رس کی بات کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ: یہاں شراب کے لیے انگور نچوڑنا مراد ہے، تو شراب کے لیے رس بیچنے والا بھی اس کی طرح ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہاں شراب کے لیے انگور نچوڑنا مراد ہے اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں، کیونکہ خود شراب نچوڑنا بھی ممکن ہے کہ انگور کسی برتن میں ڈالے تاحالیکہ وہ گاڑھا ہو کر جوش مارے پھر اسے نچوڑے تو یہ شراب نچوڑنا ہی ہوا۔ تو یہاں نص میں بھی بظاہر یہی صورت

---

[1] شرح مختصر الطحاوي، مسألة بيع عصير العنب ممن يجعله خمرًا، ج٦ص٣٩١.

مراد ہے کیونکہ شراب نچوڑنے پر لعنت وارد ہوئی ہے تو نچوڑتے وقت اس کا شراب ہونا ضروری ہے۔ نیز ہم شراب بنانے کے لیے انگور سے رس نکالنے کو بھی منع قرار دیتے ہیں اور جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ شراب نچوڑنے والا شمار ہو گا، جب کہ ہماری گفتگو اس صورت میں ہے کہ کوئی رس نچوڑے بغیر فروخت کرے اور یہ ڈر ہو کہ خریدار اسے نچوڑے گا۔ لہٰذا بعد میں ہونے والے عمل کی وجہ سے اب سے فروخت کرنے والے پر کوئی قدغن نہیں لگائی جائے گی"۔

اس مفید عبارت سے معلوم ہوا کہ:

الف: شیرہ انگور فروخت کرنا جائز ہے اگرچہ فروخت کنندہ کو خدشہ ہو کہ خریدار اس سے شراب بنائے گا۔

ب: جو چیز ایسی ہو کہ اس کو اپنی موجودہ شکل کے ساتھ معصیت کے کام میں استعمال کیا جا سکتا ہو اور کچھ قرائن بھی اس بات کی موجود ہوں کہ خریدار گناہ کے کام میں اس کو استعمال کرے گا، تو ان دو باتوں کی موجودگی میں اس چیز کو فروخت کرنا شرعاً درست نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اور اگر ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی مفقود ہو جائے تو کراہت نہیں ہو گی، چنانچہ پہلی بات مفقود ہونے کی مثال شیرہ انگور ہے کہ اس کو فروخت کرنا درست ہے اگرچہ خریدار کی طرف سے شراب بنانے کا اندیشہ ہو اور دوسری بات کے مفقود ہونے کی مثال مردوں کے ہاتھ ریشم وغیرہ نسوانی زیورات فروخت کرنا ہے کہ جب تک فروخت کنندہ کے پاس ایسے کوئی قرائن موجود نہ ہوں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ خریدار اس کو خود استعمال کرے گا، تب تک فروخت کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

ج:اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ محض یہ بات کراہت پیدا ہونے میں مؤثر نہیں ہے کہ کسی چیز کو اپنی موجودہ صورت کے ساتھ گناہ کے کام میں استعمال کیاجاسکتا ہے، بلکہ عملی طور پر یہ چیز کسی منکر میں استعمال ہوگی یانہیں؟ اس کو دیکھاجائے گا اور یہ بھی قرائن کو دیکھ کر معلوم ہوسکتی ہے،لہذا ساتھ ساتھ قرائن کو بھی دیکھاجائے گا ۔ اور جب قرائن بھی مدارِ حکم ٹھہریں تو اس کے معلوم کرنے میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں ،لہٰذا فروخت کنندہ کی رائے کا اعتبار انسب ہے چنانچہ امام صاحب رحمہ اللہ ان جیسے مسائل میں مبتلی بہ کی رائے ہی کا عموماً اعتبار فرماتے ہیں۔ متاخرین فقہاء کرام کی کتابوں میں اس مسئلہ سے متعلق بعض جزئیات میں اختلاف ذکر کیاگیاہے، درج بالا تفصیل سے اس کی بنیاد بھی معلوم کی جاسکتی ہے کہ بعض حضرات نے کراہت کی اس حکم کو مطلقاً لیاہے اور بعض نے قرینے کی قید کا بھی لحاظ فرمایاہے لیکن عملی طور پر قرینہ موجود ہے یانہیں؟اس کے تحقق میں رائیں مختلف ہوگئیں اور یوں اختلاف پیدا ہوا۔

موضوع سے متعلق ایک مشہور ضابطے کی تحقیق

اس موضوع سے متعلق ایک ضابطہ مشہور ہے جس کو کئی کتابوں میں مدارِ حکم ٹھہرایاگیاہے،وہ یہ ہے کہ جس چیز کے عین کے ساتھ معصیت متحقق ہوتی ہو،اس کو فروخت کرنا اور اجارہ پر دینا مکروہ ہے اور جو چیز ایسی نہ ہو تو اس کے فروخت کرنے یااجارہ پر دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔"بحر"میں ہے:

قد استفيد من كلامهم هنا أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه وما لا فلا.[1]

ترجمہ:"فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعینہ جس چیز کے ساتھ گناہ وجود میں آئے تو اسے فروخت کرنا مکروہ ہے ورنہ نہیں"۔

نہر، در مختار وشامی وغیرہ کتب فقہ میں بھی یہی ضابطہ "بحر" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ یہاں اسی ضابطے کی توضیح وتشریح مقصود ہے کہ اس کا مأخذ، مطلب اور دائرہ کار کیا ہے؟

اس بات کو درج بالا الفاظ کے ساتھ اور ضابطے کے انداز میں (شاید) صاحبِ بحر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے جن کی عبارت اوپر درج کی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ فقہاء کرام اس بات سے ناواقف یا بے خبر تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن بظاہر متعارض جزئیات میں توجیہ و تفریق واضح کرنے کے لئے صاحب بحر نے یہ نکتہ ذکر فرمایا ہے، انہی جزئیات کی بحث وتشریح میں دیگر فقہاء کرام بھی اس بات کو ایک نکتے کے طور پر ذکر کرتے رہے ہیں چنانچہ علامہ جصاص رازی رحمہ اللہ کی جو تفصیلی عبارت پہلے درج کی گئی ہے، اس میں یہ بات ذکر فرمائی گئی ہے[2]۔ تاہم باقاعدہ ایک ضابطہ کی حیثیت سے اس کو زیادہ رواج وفروغ صاحب بحر رحمہ اللہ کے ہاں سے نصیب ہوا۔

---

[1] البحر الرائق، قُبيل كتاب اللقيط، ج٥ص١٥٤.

[2] اسی طرح ہدایہ اور الاختیار وغیرہ کتابوں میں اس کی صراحت ہے، مثلاً ہدایہ میں ہے:

جہاں تک اس ضابطے کی توضیح و تشریح کی بات ہے تو اس کا عام متبادر مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی ہے کہ جس حالت پر اس کو فروخت کیا جارہا ہو یا اجارہ پر دیا جارہا ہو، اسی حالت میں بغیر کسی تبدیلی کے اس کے ساتھ کوئی معصیت متحقق ہوتی ہو تو اس کی بیع اور اجارہ مکروہ ہیں اور اگر کسی صنعت و تبدیلی کے بعد وہ معصیت کے کام میں استعمال ہوتی ہو تو اس کو فروخت کرنا اور اجارہ پر دینے میں قباحت نہیں ہے۔ یہ اس ضابطے کا متبادر مفہوم ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا اور یہی مطلب عام فقہاء کرام نے اس کا لیا ہے۔

تاہم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے (امکان کے درجے میں) اس کا ایک اور مفہوم ذکر فرمایا ہے جس کی وجہ یہ بنی کہ اس متبادر مفہوم کو لیا جائے تو جاریہ مغنیہ، کبش نطوح اور دیک مقاتل وغیرہ جیسی چیزوں کی خرید و فروخت مکروہ قرار دینی چاہئے حالانکہ علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے ان چیزوں کی بیع کو درست قرار دیا ہے۔ تو اس کی توجیہ کے طور پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے "تقام المعصیۃ بعینہا" کا یہ مفہوم ذکر کیا ہے کہ اس سے کسی چیز کے مقصود اصلی کا معصیت ہونا مراد ہے یعنی جس چیز کا اصل مقصود معصیت ہو تو اس کی بیع واجارہ مکروہ ہیں اور جس چیز کا

"ولا بأس ببيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمرا"؛ لأن المعصية لا تقام بعينه بل بعد تغييره، بخلاف بيع السلاح في أيام الفتنة لأن المعصية تقوم بعينه. الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في البيع، ج٤ص٣٧٨.

"الاختیار" میں ہے:

(ولا بأس ببيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمرا) لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، ج٤ص١٦٢.

مقصود اصلی معصیت نہ ہو تو گو اس کی عین کے ساتھ کوئی معصیت متحقق ہوتی ہو لیکن اس کی بیع اور اجارہ مکروہ نہیں ہیں۔[1] دکتور صلاح ابو الحاج نے بھی اس ضابطے کا یہی مفہوم ذکر کیا ہے چنانچہ اپنے مقالے میں متعدد جگہ اس کی یہی تشریح کی ہے[2]۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس کا ایک تیسرا مطلب بیان فرمایا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"والّذي ظهر لي بفضل الله وكرمه في الفرق بينهما هو أنّ ما قامت المعصية بعينه هو ما كانت المعصيةُ في نفس فعل المعين بحيث لا تنقطع عنه نسبتها بفعل ذلك الفاعل المختار، وذلك بثلاث وجوه..."[3]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان دونوں قسم جزئیات کے درمیان فرق کے لیے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ: بعینہ جس چیز کے ساتھ گناہ قائم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مدد کرنے والے کے عمل میں گناہ کا عنصر موجود ہو اور فاعل مختار کے فعل کے باوجود گناہ کی نسبت مدد کرنے والے سے ختم نہ ہوتی ہو اور اس کی تین صورتیں ہیں"۔

---

[1] راجع: رد المحتار على الدر المختار،باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ما تقوم المعصية بعينه، ج٤ص٢٦٨.

[2] راجع: خلاصة الكلام في مسألة الإعانة على الحرام،ص٤٦وص٦٧.

[3] تفصيل الكلام في مسألة الإعانة على الحرام،ص٩ضمن جواهر الفقه ج٢ص٤٤٧.

یہ جو دو آخری مفہوم بیان کئے گئے ہیں، یہ اپنی جگہ درست ہیں اوراس مفہوم کے مطابق جو چیز "ما تقوم المعصیۃ بعینہ" میں داخل ہوتی ہے، بلاشبہ اس کی بیع مکروہ ہے، خصوصاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو آخری مفہوم نقل کیا گیا ہے، اس کے مطابق تو خود اعانت ہی منکر پر مشتمل ہے جس کے بعد اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ تاہم صاحب بحر وغیرہ نے جو ضابطہ ذکر کیا ہے، اس کا یہ محمل نہیں ہے بلکہ وہ اس سے کہیں عام ہے۔

جزئیات میں اختلاف وتعارض کی وجہ سے ان توجیہات کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے[1] بلکہ جزئیات کا اختلاف یا تو اختلاف اقوال وروایات پر مبنی ہوتا ہے یا اختلاف ذکر کرنے والے کی ذاتی رائے و تحقیق اس کی بنیاد بن جاتی ہے اور یا اس لئے تعارض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ "ما تقام المعصیۃ بعینہ" کی بیع اور اجارہ مطلقاً مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کی کراہت مقید ہے (جس کی تفصیل علامہ جصاص رازی رحمہ اللہ کی تفصیلی عبارت کے ذیل میں ذکی کی جاچکی ہے) اور ایسی چیز میں ہمیشہ دو پہلوؤں ہوتے ہیں: ایک اطلاقی حیثیت سے اور ایک قید کے لحاظ سے، اب جنہوں نے اس کو مطلق کے اعتبار سے دیکھا تو کراہت کی نفی فرمائی اور جنہوں نے قید کا لحاظ رکھا تو مکروہ قرار دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفی کراہت اور اثبات کراہت کے محل جدا جدا ہیں، اس لئے تعارض وتناقض نہیں ہے ، لہٰذا مزید کسی توجیہ کی

---

[1] چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے کلام کو دیکھ کر یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے علامہ زیلعی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ جزئیات کی توجیہ و تطبیق کے لئے اس ضابطہ کا یہ مفہوم متعین فرمایا ورنہ وہ خود بھی اس پر مطمئن نہیں ہے اور دوسری جگہ اس ضابطہ کا وہی عام متبادر معنیٰ ذکر کیا ہے۔

ضرورت ہے اور نہ ہی توجیہ کے لئے عام متبادر معنٰی چھوڑ کر کسی اور مفہوم کو متعین کرنے کی حاجت ہے۔

گزارش

یہاں تک جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، یہ کوئی وقتی تحریر یا محض مضمون برائے مضمون نہیں ہے بلکہ یہ اس مسئلہ سے متعلق راقم کے اس فکر و مطالعہ کا حاصل خلاصہ ہے جو تقریباً سات سال سے جاری ہے، اس دوران اس ناکارہ نے اپنی محدود استطاعت کے مطابق اس مسئلہ کو سمجھنے کی بار بار کوشش کی اور ساتھ ساتھ مختلف کتابوں کی طرف مراجعت بھی کرتا رہا تاکہ مسئلہ اچھی طرح منقح ہو جائے اور اس کے تمام پہلوؤں پر ممکنہ حد تک غور وخوض کیا جاسکے۔ لیکن اب بھی اس کی حیثیت کسی حتمی فتویٰ کی نہیں ہے بلکہ محض ایک علمی بحث کی حیثیت سے اہل علم کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے تاکہ ان کی تحقیقی و تنقیدی نظر سے گزر کر اس کی کما حقہ اصلاح ہو جائے اور اس میں جتنے سقم و نقائص ہیں، اس کا سراغ لگا کر درست کیا جاسکے۔ امید ہے کہ اہلِ علم یوں اس کی قدر دانی فرمائیں گے اور اس کی اصلاح و تصحیح میں حقیر راقم کے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بندہ عبید الرحمن

۲۶ محرم ۴۳ھ

☆☆☆☆☆☆☆